ادبیات

غزل

از

(جناب آلم مظفر نگری)

لذتِ غم مے سرجوش ہوئی جاتی ہے
جھوم کر روح بھی مدہوش ہوئی جاتی ہے

خلد رضوان مری آغوش ہوئی جاتی ہے
اشکِ گلرنگ سے گل پوش ہوئی جاتی ہے

آئی ہے کون سے مے خانے سے کھنچ کر ساقی
مے ۔ کہ جزوِ لبِ مے نوش ہوئی جاتی ہے

کیا کہوں کس لئے آمادۂ نالہ ہو کر
فطرتِ عشق جفا کوش ہوئی جاتی ہے

پردۂ سازِ غم عشق کی ہر اک آواز
خود بخود محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے

قافلے بانگِ درا سمجھے ہوئے تھے جس کو
اب وہ آوازِ بھی خاموش ہوئی جاتی ہے

خاکِ پروانہ کہے گی شبِ غم کی روداد
ہوتے دو شمع جو خاموش ہوئی جاتی ہے

منزلِ گورِ غریباں یہ بتادے ــ دنیا
کیوں تری خاک ہیں روپوش ہوئی جاتی ہے

پھر اٹھی خلوتِ الہام سے کوئی آواز
بزم ہستی ہمہ تن گوش ہوئی جاتی ہے

جس نے سمجھا ہے مقاماتِ خودی کو وہ قوم
رفعتِ عرش کی ہم دوش ہوئی جاتی ہے

کون اب نظمِ دو عالم کو سنبھالے گا آلم
ان سے خالی مری آغوش ہوئی جاتی ہے

"حیات ہے بجانے کیا"

از

(جناب شمس نوید)

خرد کو اپنی ابتدار ، مآل کی خبر نہیں
جواب کی تلاش ہے سوال کی خبر نہیں
تخیلات کی رسائی روح کائنات تک
مگر ہنوز مرکزِ خیال کی خبر نہیں!

دگا رہی ہے آگہی یقیں پہ تازیانے کیا!
حیات ہے بجانے کیا؟

وہی حسین مسکراہٹوں کا خون سرد ہے
وہی غریب آنسوؤں میں زندگی کا درد ہے
سکون کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں قافلے
تھکے ہوئے قدم جبیں پہ صدیوں کی گرد ہے
بدل سکا نہ سوزِ دل، بدل گئے زمانے کیا
حیات ہے سجانے کیا؟

کبھی یہ ٹھوس زندگی سکونِ دل سے دُور ہے
کبھی لطیف خواب بھی کہ بے پئے سرور ہے
کبھی یقینِ زیست دور ہو کے بھی قریب تر
کبھی حیات اس قدر قریب ہو کے دُور ہے
فسانے ہیں حقیقتیں، حقیقتیں فسانے کیا
حیات ہے سجانے کیا؟

شعور آج سرحدِ نگاہ سے بلند ہے
زمین سے بلند مہر و ماہ سے بلند ہے
قدم قدم نئے بلند تر خدا کی جستجو
گناہ کر رہا ہے اور گناہ سے بلند ہے
جبیں میں جذب ہو گئے تمام آستانے کیا
حیات ہے سجانے کیا؟

بجا کہ ذہن میں اوج پر ہے کاروبارِ زندگی
بجا کہ جانِ زیست ہے یہ خلفشارِ زندگی
مگر سکوت نیم شب کی خلوتوں میں گم ہوا
مسائلِ حیات کا خمار "بارِ زندگی
شعورِ ذات ہی میں ہیں سکون کے خزانے کیا
حیات ہے سجانے کیا؟